شاہ عبدالعزیز کے بعد انہی کی دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحب عزیمت داعی و مصلح حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نقشے میں رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علی منہاج النبوۃ کی اساس پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تعلیمات اور ان کی دی ہوئی روشنی سے کتنا فائدہ اٹھایا، ان کے عزائم کتنے بلند، ان کی نگاہ کتنی دور بین، ان کا مطلب کتنا وسیع اور فراخ تھا، وہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی فوجی حکومت کے استیصال و استحصال کی اسی طرح کی فوری مصیبت سے بچانے کے بعد اور انگریزوں کو جن کو وہ "بیگانگان بعید الوطن و تاجران متاع فروش" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، نکالنے کے بعد ہندوستان کو کس طرح آزاد کرانا اور اسلام کے عدل و مساوات کے اصول پر اس کا نظم و نسق قائم کرنا چاہتے تھے، اس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوگا جو انھوں نے سلاطین وقت، امرائے نامدار، صاحب حمیت مسلمانوں اور ہوش مند والیان ریاست کو لکھے ہیں :۔

اس طرح اس سلسلے سے اہل دعوت و عزیمت کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

آشفتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

بقیہ صفحہ ۴۰ سے آگے

۳ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء کو افطار سے چند منٹ پہلے کراچی میں اپنی صاحبزادی کے مکان میں داعی اجل کو لبیک کہی اور رب کریم کے سایہ رحمت میں پہنچ گئے اور اس طرح ۱۹۰۸ء میں آگرہ میں پیدا ہونے والے مسعود و مبارک بچے نے (جس کی ولادت پر حضرت نانوتویؒ و حضرت گنگوہیؒ کی مبارکبادیں اس کی والدہ ماجدہ کو ملی تھیں) دنیا میں علم و دین، ملک و ملت اور انسانیت کی معنوی سعادت کا پیغام پہنچا کر عالم غربت و مہاجرت اور ایسی علالت میں وفات پائی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت سے یاد فرمایا ہے اب ارض پاک کے رہنے والوں سے بھی ہم دور افتادگان کی گذارش ہے کہ وہ بھی مولانا مرحوم و مغفور کے کام اور پیغام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے ؎

اے خاک "پاک" خاطر جاں نگاہ دار
کاں نور چشم ماست کہ در بر گرفتہ ای

ابو سلمان

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ اجتہاد

ایک معمولی سوال ہے اور وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزماں ہیں اور قرآن آخری کتاب الٰہی ہے تو پھر زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت کے جو نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے ان کا حل کس طرح ہوگا۔ جس طرح یہ سوال سادہ ہے اسی طرح اس کا جواب بھی سادہ اور بے تکلف ہے اور وہ یہ کہ اجتہاد کے ذریعے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شریعت کے ایک ایک جزو اور اس کے ایک ایک سر خفی و جلی کا جائزہ کمال ژرف نگاہی و روشن دماغی سے لیا ہے وہ شریعت اسلام کے اس پہلو سے پہلو تہی کس طرح کر سکتے تھے۔ ان پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی تھی کہ قرآن مجید کی آیت "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" کے مطابق دین جو اصول اور کلیات کا مجموعہ ہے اس کو مکمل اور کامل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن شریعت جو قوانین و ضوابط (Laws and bye-laws) کا مجموعہ ہے اس کو کامل نہیں فرمایا گیا چونکہ زمانہ برابر رواں دواں ہے، انسانی تہذیب و تمدن ترقی پذیر ہے اس بناء جدید معاملات و مسائل کے لئے قرآن و سنت، تعامل صحابہ، اجماع اُمت اور فقہی نظائر و شواہد کی روشنی میں استنباط و استخراج احکام کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اور اس طرح شریعت کے ذخیرے میں نشو و نما اور اضافہ ہوتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے اجتہاد اور اس سے متعلقہ مسائل کے متعلق اس بسط و تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ ان کے استقصا و استیعاب کے لئے ایک دفتر درکار ہے

اس مقالے میں صرف چند اہم اور بنیادی امور کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

اجتہاد کی تعریف

اجتہاد کی تعریف کیا ہے۔ شاہ صاحب "عقد الجید" میں لکھتے ہیں اجتہاد کی تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی جو تفصیلی دلائل ہیں اور جن کے کلیات کے مراجع و ماخذ چار چیزیں ہیں یعنی الکتاب السنۃ، اجماع اور قیاس، ان سے استنباط کر کے احکام وضع کرنا۔

شاہ صاحب نے اجتہاد کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک اجتہاد مستقل اور دوسرا اجتہاد منتسب، انھیں دو قسموں کو انھوں نے بعض جگہ اجتہاد مطلق اور مقید کے لفظوں سے بھی تعبیر کیا ہے اجتہاد مستقل کی تعریف "الانصاف فی سبیل الاختلاف"، "المصفی فی شرح الموطا" اور "عقد الجید" میں شاہ صاحب نے یہ کی ہے کہ وہ ایسا اجتہاد ہے جیساکہ امام شافعی کا تھا، یعنی امام شافعی کی رسائی احکام شریعہ کے ماخذ تک براہ راست تھی، اور تابعین و تبع تابعین کے عہد کے قرب کے باعث ان ماخذ کے صحت و سقم اور قوت و ضعف کو جانچنے اور پرکھنے کے مواقع ان کو بسہولت حاصل تھے۔ پھر انھوں نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں وہ اصول وضوابط بیان کیے جن کی روشنی میں اصول و کلیات سے جزئیات کا استنباط و استخراج ممکن ہے۔ پھر انھوں نے "کتاب الام" میں انھیں اصول پر احکام کی تخریج کر کے اپنا فقہ مدون کیا۔ امام شافعی اس راہ میں کسی کے مقلد نہیں تھے، بلکہ مجتہد مطلق تھے۔ شاہ صاحب نے اگرچہ نام صرف امام شافعی کا لیا ہے لیکن باقی ائمہ ثلاثہ کو بھی ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے شاہ صاحب کے نزدیک اس اجتہاد مستقل یا مطلق کا انقطاع ہوگیا۔ اب آئندہ جو کوئی بھی مجتہد ہوگا اسے لامحالہ ان ائمہ اربعہ کے طرق سے استدلال کرنا ہوگا اور ان کے جمع کئے ہوئے سرمایۂ احکام و مسائل پر اسی طرح اعتماد کرنا ہوگا جیساکہ متاخرین زمانہ کے بڑے سے بڑے محقق اور مجتہد کو من حیث المجموع متقدمین کے سرمایہ علم پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ اجتہاد کی دوسری قسم ہے اور اس کا نام اجتہاد مقید یا اجتہاد منتسب ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اب بھی باقی ہے بلکہ قیامت تک باقی رہے۔ اور اس کا کبھی انقطاع نہیں ہوگا چنانچہ تفہیمات الٰہیہ (جلد ۲ ص ۲۴۵) میں فرماتے ہیں کہ "امت کے لئے کبھی وہ وقت نہیں آئے گا کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کی ضرورت نہ ہو"۔ شاہ صاحب نے اسی بات کو "المصفی فی شرح الموطا (ج ۱ ص ۱۱)" میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے "کہ چونکہ مسائل لامحدود ہیں اور جب تک کہ دنیا ہے یہ پیدا بھی ہوتے رہیں گے

اور کتب فقہ میں جو کچھ درج ہے وہ ناکافی ہے۔اس بنا پر ہر زمانے میں مجتہدین کا ہونا ضروری ہے اور اجتہاد فرض ہے البتہ چونکہ اب کوئی مجتہد ائمہ مجتہدین کی کوششوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اس بناء پر یہ اجتہاد اجتہاد مستقل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ امام شافعی کا اجتہاد تھا۔

کیا اجتہاد مطلق ماورائے تنقید ہے؟

شاہ صاحب نے یہ بجا فرمایا ہے کہ جس طرح ہر بیرسٹر اور قانون دان سابقہ نظائر و شواہد سے مستغنی نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی مجتہد ائمہ کے اجتہادات اور ان کے فیصلوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اس بنا پر اجتہاد مطلق اب ناپید ہے لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں۔

(۱) حضرت شاہ صاحب کی رائے ہرگز یہ نہیں ہے کہ ائمہ اربعہ سے کتب فقہ میں جو کچھ منقول ہے اس پر تنقید کرنا یا اس سے انحراف یا اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ائمہ کے خود باہمی اختلافات اور ان کے تلامذہ کا ان سے اختلاف، خود اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ہمارے پاس قرآن و سنت سے دلائل قویہ ہوں تو ہم بھی ائمہ کی رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں چنانچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ (ج ۱ ص ۲۱۱، ۲۱۲) میں فرماتے ہیں، ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا، اور وہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے پیرو امت مرحومہ میں اور ان کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں ملاء اعلیٰ کے علوم کے منشاء کے مطابق حق یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب تصور کیا جائے پھر ان دونوں کو حدیث کی مدونہ کتب میں تلاش کیا جائے، اور اگر ان کی اصل کا پتہ نہ چلے تو انھیں چھوڑ دیا جائے۔"

(۲) اگرچہ شاہ صاحب چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد مطلق کے دروازے کو مسدود مانتے ہیں، لیکن خود شاہ صاحب نے "الانصاف" (ص ۶۶) میں لکھا ہے کہ "ایک سے زیادہ آئمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی امام الحرمین اور امام غزالی اجتہاد مطلق کے مرتبے کو پہنچے ہوئے تھے" علاوہ ازیں علامہ بحر العلوم "مسلم الثبوت کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اجتہاد مطلق کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا، چنانچہ ان حضرات کے نزدیک امت پر ان اماموں کی تقلید واجب ہے لیکن یہ سب من مانی باتیں ہیں اور ان حضرات کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس بنا پر ان کی باتوں کی پروا نہ کی جائے۔"

بظاہر شاہ صاحب اور مولانا بحرالعلوم اور ان کے ہم خیال علما کے نظریات میں تعارض نظر آتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ نزاع لفظی سے زیادہ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ شاہ صاحب جب اجتہاد مطلق کا لفظ بولتے ہیں تو ان کے ذہن میں امام شافعی کے اجتہاد کا تصور ہوتا ہے اور امام شافعی کے اجتہاد کی خصوصیات کیا ہیں اس کے بارے میں شاہ صاحب المصفی (ص ۱۱) میں فرماتے ہیں :

"کہ تبع تابعین جن میں سے متعدد حضرات اصحاب مذاہب تھے ان سے امام شافعی نے براہ راست استفادہ حاصل کیا تھا، پھر راویوں کے جرح و تعدیل اور لغت عربی وغیرہ کی معرفت میں وہ کسی شخص کے واسطے اور مدد کے محتاج نہیں تھے، بلکہ وہ یہ کام خود اور براہ راست کر سکتے تھے۔ اسی طرح روایت مجتہدانہ میں وہ کسی کے ارشاد کے محتاج نہیں بلکہ اس کے بانی تھے" اس بناء پر ظاہر ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کوئی شخص بھی اجتہاد کرے گا اس کو یہ مواقع حاصل نہ ہوں گے۔ یعنی اس کا علم ماخذ و مصادر اجتہاد بلا واسطہ نہیں ہوگا بلکہ بالواسطہ ہوگا، اور راویوں کی جرح و تعدیل، روایت کے متن کی کمی بیشی اور اس میں ادل بدل کے علم کے لئے وہ متقدمین کی مدد اور ان کی فراہم کردہ معلومات کا محتاج ہوگا۔ شاہ صاحب نے امام شافعی کے اجتہاد کی جو خصوصیات بیان کی ہیں اور جو بے شبہ باقی ائمہ ثلاثہ کے اجتہادات پر بھی صادق آتی ہیں وہ ایسی صاف اور واضح ہیں کہ مولانا بحرالعلوم اور ان کے ہم خیال دوسرے علما بھی ان کے منکر نہیں ہوسکتے۔ اس بنا پر جب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اب اجتہاد مطلق نہیں ہوسکتا۔ اور اجتہاد مطلق سے ان کی مراد امام شافعی اور دوسرے ائمہ کا اجتہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس پر شاہ صاحب اور مولانا بحرالعلوم دونوں کا اتفاق ہے۔ ساتھ ہی اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ مولانا بحرالعلوم جس اجتہاد کو اجتہاد مطلق کہتے ہیں اور اس کے وقوع کے قائل ہیں یہ دراصل وہی اجتہاد ہے جس کو حضرت شاہ صاحب اجتہاد منتسب کے نام سے پکارتے ہیں۔

ہم نے نزاع لفظی کی جو بات کہی ہے وہ محض ہمارے ذہن کی ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ خود شاہ صاحب کی ایک عبارت سے اس کا قرینہ ملتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی، ابن الصلاح اور امام غزالی کی نسبت کسی نے کہا کہ وہ اجتہاد مطلق کے مرتبہ کو پہنچے ہوئے تھے۔ ابن العلام نے کہا کہ وہ مجتہد فی المذہب تھے، شاہ صاحب "الانصاف" میں ان اقوال کی تطبیق کرتے ہیں کہ ان علماء کی مراد یہ ہے کہ ان حضرات کو اجتہاد منتسب کا مقام حاصل تھا۔ جیسا کہ ابن الصلاح نے اپنی کتاب "آداب الفتیا" میں اور نووی نے شرح المذہب میں ثابت کیا ہے۔

اجتہاد منتسب کا حکم

شاہ صاحب کے نزدیک اس اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے ہمیشہ باقی رہے گا کسی زمانے میں بھی اسے ترک نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی زمانے میں اسے ترک کیا گیا تو سب اہل زمانہ گنہگار ہوں گے (الانصاف ۶۶) حضرت شاہ صاحب یہی بات "مصفیٰ" (ص ۱۱) میں وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثرت سے پیش آنے والے ہیں اور وہ لامحدود ہیں اور ان کے بارے میں احکام الٰہی کا جاننا واجب ہے کیونکہ کتب فقہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ مدون ہے وہ ناکافی ہے علاوہ ازیں ان میں اختلافات بہت زیادہ ہیں جن کا حل بجز اس کے کسی اور طرح نہیں ہو سکتا کہ جو احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں ان کو ان کی دلیلوں کی روشنی ہی میں جانچا اور پرکھا جائے اور چونکہ ان دلیلوں کے جانچنے کے طریقے مجتہدین پر پہنچ کر منقطع ہو گئے ہیں اس بنا پر اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان دلیلوں کو قواعد اجتہاد پر پرکھا جائے۔

اجتہاد کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ اجتہاد کا طریقہ اور اس کا منہج کیا ہے۔ شاہ صاحب "مصفیٰ" (ص ۱۸) میں محدث اور مجتہد کے مناصب کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجتہد کا منصب یہ ہے کہ اگر لفظ مشترک ہے تو اس کے معنی کی تعیین و تحدید کرے اور یہ دیکھے کہ رکن، شرط، اور ادب یعنی حکم نوعیت کیا ہے وہ فرض ہے یا واجب یا مستحب، مشروط ہے یا غیر مشروط، مناط حکم کیا ہے، مطلق یا مقید، عام ہے یا خاص، اس کی علت کیا ہے نص میں جو قیدیں ہیں وہ اتفاقی ہیں یا احترازی، ان سب کی تحقیق اور تعیین کرنے کے بعد اسے یہ دیکھنا چاہئیے کہ منصوص اور غیر منصوص میں کوئی علت جامعہ و مشترکہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو حکم منصوص سے غیر منصوص کی طرف منتقل ہو گا ورنہ نہیں، پھر دلالت کی قسمیں کئی ہیں، دلالت مطابقی، دلالت تضمنی اور دلالت التزامی۔ تو اسے یہ بھی متعین کرنا چاہئیے کہ یہاں نص کی دلالت حکم پر کس قسم کی ہے اور دلیلیں کئی ہوں اور وہ متعارض ہوں تو یہ دیکھنا چاہئیے کہ ان میں تطبیق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر کسی ایک کو ترجیح دینا ہو گا۔ اور اس کے لئے وجوہ ترجیح کو تلاش کرنا ہو گا۔ ان اصولوں کو بیان کرنے کے بعد مثالوں کے ذریعے شاہ صاحب نے ہر ایک اصل کی تشریح و توضیح کی ہے جس کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مجتہد کے اوصاف

ایک مجتہد کو کن کن علوم و فنون سے آراستہ ہونا چاہیے اور اس کی بالغ نظری اور ورع و تقویٰ کا عالم کیا ہونا چاہیئے، اس سلسلے میں شاہ صاحب نے وہی لکھا ہے جو دوسرے حضرات لکھتے ہیں۔ اور ان کا اندازہ اجتہاد کے اس منہج سے بھی ہو سکتا ہے جو ابھی مذکور ہوا، لیکن اس سلسلے میں شاہ صاحب کی ممتاز اور نمایاں خصوصیت و انفرادیت یہ ہے کہ آپ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں تمام اسلامی عبادات، معاملات، سیاسیات اور سماجیات و اقتصادیات پر نہایت جامع اور بصیرت افروز بحث کر کے جگہ جگہ ان امور کی نشاندہی کر دی ہے جو موجودہ زمانے میں اجتہاد کی واضح بنیاد بن سکتی ہے۔

یہ توضیحات و تنقیحات "حجۃ اللہ البالغہ" کے صفحہ صفحہ پر پھیلی ہوئی ہیں ہم ان میں سے صرف چند اہم چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) شاہ صاحب نے ہر حکم کے اسرار و رموز اور اس کے علل و اسباب پر اس قدر زور دیا ہے کہ اسلام ایک مذہب عقل و منطق ہو گیا اور اس بنا پر جدید مسائل میں اجتہاد کر کے ان کا حکم معلوم کر لینے کا راستہ بہت سہل ہو گیا ہے مثلاً کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ کوئی عورت سفر حج تنہا نہیں کر سکتی اس کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے اب اگر شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ اس زمانے میں راستے خطرناک تھے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اب چونکہ راستے خطرناک نہیں ہیں اس بنا پر ایک عورت کا بغیر محرم کے سفر حج کرنا جائز ہے۔

(۲) شاہ صاحب نے تشریع کے وجوہ و عناصر پر جو کلام کیا ہے وہ تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کی منفرد شئے ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کی قانون سازی میں حسب ذیل امور کی رعایت ضروری ہے۔

(الف) قومی عادات و خصائل: شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے الگ الگ عادات و خصائل ہوتے ہیں جن سے وہ مانوس ہوتے ہیں۔ اس بنا پر تشریع کے باب میں ان کی رعایت کرنا ضروری ہے تاکہ یہ لوگ آئین نو سے متوحش نہ ہوں۔ شاہ صاحب "حجۃ اللہ البالغہ" (جلد اص ۹۴) میں فرماتے ہیں:

> پس اس سے بہتر اور آسان تر کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ شعائر حدود اور مصالح عامہ کے باب میں اس قوم کی عادات کا اعتبار کیا جائے جس میں پیغمبر کی بعثت ہوئی ہے۔ نیز بعد میں آنے والی نسلوں پر ان امور کے بارے میں زیادہ سختی نہ کی جائے اور ان کو کوئی گنجائش ان پر باقی رکھا جائے

کیونکہ پہلے لوگ تو اپنے دلوں کی شہادت اور اپنی عادات کے باعث ان احکام کو قبول کریں گے مگر بعد میں آنے والی نسلیں تو ان چیزوں کو ملت کے اماموں اور خلفا کی سیرتوں کی روشنی میں قبول کریں گی۔ آج بھی اور ہر زمانے میں ہر قوم کا یہی خاصہ طبیعی رہا ہے۔

غور کیجئے کہ شاہ صاحب نے کس درجہ حقیقت افروز بات کہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حد سرقہ اور حد زنا جو قرآن میں مذکور ہیں ان کا رواج اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نظر آتا ہے لیکن خلافت عباسیہ اور اس کے معاصر یا اس کے بعد کے ادوار میں نظر نہیں آتا اور ان سزاؤں کے بالمقابل قید و بند یا قتل و جلا وطنی کی سزائیں دکھائی دیتی ہیں پھر کہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ علما کے کسی طبقہ نے قرآنی حدود کے الغا پر احتجاج کیا ہو۔ اس صورت حال کی تاویل حضرت شاہ صاحب کے نقطہ نظر سے یہی ہو سکتی ہے کہ عرب حد سرقہ اور حد زنا سے مانوس تھے اور ان کے یہاں یہ سزائیں عہد جاہلیت میں بھی رائج تھیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر جواد علی نے تاریخ العرب قبل الاسلام (ج ۵ ص ۲۷۳) میں اپنا خیال حد زنا کے متعلق ظاہر کیا ہے اس بنا پر اسلام نے ان سزاؤں کو باقی رکھا لیکن چونکہ عجمی قومیں ان سے مانوس نہیں تھیں اس لئے ان کا جب اثر و اقتدار بڑھا تو ان کے اجرا میں شاہ صاحب کے بقول اس معاملہ میں سختی نہیں برتی گئی اور ان کے بجائے دوسری قسم کی سزائیں اختیار کر لی گئیں، جیسا کہ سعودی عرب کی حکومت کو مستثنیٰ کر کے اسلامی ملکوں میں اب بھی ہو رہا ہے۔

(ب) دوسری اہم بحث تشریع کے سلسلے میں شاہ صاحب نے یہ کی ہے کہ جب کبھی کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اس نے اپنی کوئی الگ شریعت لوگوں پر نہیں تھوپی بلکہ اس نے دیدہ دری سے قوم کے رسم و رواج ان کے طور طریق زندگی ان کی تہذیبی اور تمدنی حالات کا جائزہ لیا۔ پھر ان میں قانون الٰہی کے مطابق جو چیزیں خیر محض تھیں ان کو علیٰ حالہا قائم رکھا۔ جو چیزیں شر محض تھیں ان کو بالکل رد کر دیا۔ اور جن چیزوں میں خیر و شر دونوں کا اجتماع و امتزاج تھا ان میں حد و قدر کر کے ایسا بنا دیا کہ خیر غالب ہو گیا۔ اور شر مغلوب، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنی شریعتیں تھیں ان کی تشکیل اسی نہج پر ہوئی تھی اور خود شریعت محمدی کی تعمیر اسی اصول پر ہوئی۔ شاہ صاحب کا یہ بیان ہم کو یہ سبق دیتا ہے کہ دنیا کی ہر نئی چیز کو دیکھ کر ہمیں متوحش نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کا خوب اچھی طرح مطالعہ کر کے اور اس کا تحلیل و تجزیہ کر کے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

(ج) تیسری اہم بحث جو حضرت شاہ صاحب نے کی ہے وہ ارتفاقات اربعہ کی ہے۔ اس ذیل میں انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی اخلاق، دینی، سیاسی، تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی جذبہ احساس اور عمل ایسا

باقی صفحہ ۱۶ پر